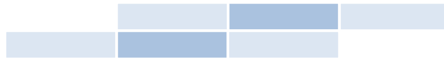
مدارس کے اساتذہ

اور

ان کی ذمہ داریاں

استاذِ محترم حضرت مولانا نور البشر محمد نور الحق صاحب مد ظلہم کو جامعہ بیت العلم (گلشن اقبال کراچی) کے مدیر حضرت مولانا مفتی محمد حنیف عبد المجید صاحب زید مجدہم کی طرف سے اپنے ادارہ میں کام کرنے والے مختلف شعبہ جات کے اساتذہ سے گفتگو کرنے کے لیے دعوت دی گئی۔ اس موقع پر کی گفتگو افادۂ عام کے لیے نذرِ قارئین ہے۔ (عطاء رفیع)



فہرست مضامین

مدارس کے اساتذہ اور ان کی ذمہ داریاں

الحمد لله، نحمده ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له، ومن يضلله فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وصحبه، وبارك وسلّم تسليماً كثيراً.

أمّا بعد، فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ (الحجر:۸۸)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: «خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه». [(۱)]

صدق الله العظيم وبلّغ رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

محترم حضرات علماء کرام اور معزز اساتذۂ کرام! میں آج کی اس نشست میں سب سے پہلے اللہ جلّ شانہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ حضرات کے ساتھ بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، ہمارا یہ اجتماع خالص دین کی نسبت سے ہے۔ اللہ جلّ شانہ ہمارے دلوں کے اندر اخلاص پیدا فرمائے، ہمیں اس دینی نسبت سے جڑنے کی جو توفیق عطا فرمائی اس پر بہترین اجر عطا فرمائے۔

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے سامنے بہت ہی قابلِ قدر اساتذہ حضرات ہیں، مجھے حقیقتاً آپ کے سامنے بات کرتے ہوئے ایک گُونہ شرم بھی آرہی ہے لیکن ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات معلوم بھی ہے اور چونکہ طالبعلمی کے زمانے سے ہماری یہ عادت بھی رہی ہے کہ تکرار کا حق ہر طالب علم کو ملتا ہے چاہے وہ سینیر (senior) ہو یا جونیر (junior) ہو، چاہے وہ غبی ہو یا ذکی ہو، ہر طالبعلم کا یہ حق سمجھا جاتا ہے۔ میرے اندر کوئی ایسی نئی چیز نہیں کہ میں آپ کے سامنے پیش کرسکوں لیکن شاید کچھ ایسی باتوں کا تذکرہ ہوجائے جس کی وجہ سے آپس میں یاد دہانی ہو، اور مجھے اور آپ کو فائدہ ہوجائے۔ اور اسی ذیل میں شاید ایسی باتیں بھی کہہ دوں جس کے بارے میں آپ خود سوچیں کہ ہم تو عمل نہیں کرتے، یہ خود بھی تو عمل نہیں کرتا ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں عمل نہیں بھی کرتا تب بھی میں آپ کے سامنے اس کو ذکر کرنا ضروری سمجھتا

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه، في كتاب فضائل القرآن، باب «خيركم من تعلم القرآن وعلمه»، رقم ۵۰۲۷.

ہوں، کیونکہ امت کی کشتی آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کے صحیح کِھویّے آپ ہیں۔ اس حیثیت سے آپ کی جو ذمہ داری ہے اس ذمہ داری کی تذکیر میں کرنا چاہوں گا، جو کہ حقیقۃً میری اپنی تذکیر ہے۔ اللہ جلّ شانہ میری ان باتوں کو قبول فرمائے اور ان باتوں کو سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

تعلیم و تعلّم سے وابستہ حضرات پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام

آپ حضرات کو یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں کہ اللہ جلّ شانہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ پاک نے ہمیں کس مشغلے کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ صبح سویرے اٹھتے ہی لوگ اپنے اور بال بچوں کے لیے تلاشِ معاش میں نکلتے ہیں:

کوئی شخص سوٹ بوٹ میں ملبوس ہو کر آفس چل پڑتا ہے اور باس کے سامنے سر سر کی رَٹ لگالگا کر اس کی خوشامد کرتا ہے اور اس کے دو پیسے اس کو مل جاتے ہیں۔

صبح سویرے کوئی آدمی اپنے ہاتھوں کی کاریگری دکھانے کے لیے نکل پڑتا ہے، اور کچھ نہ کچھ کما کر لے آتا ہے۔

کوئی آدمی ٹھیلا لے کر نکل پڑتا ہے اور دن بھر سڑکوں چوراہوں کی خاک چھان کر اور دیہاڑی لگا کر کچھ گھر لے آتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صبح سویرے اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر نکلتے ہیں، سڑکوں، لوگوں کے گھروں، گندے نالوں کی صفائی کرتے ہیں، اللہ جلّ شانہ ان کا رزق ان کو اس طریقے سے دے رہے ہیں۔

اللہ جلّ شانہ نے ایک طبقہ ہمارا بھی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس راستے میں روزی دی، وہ بھی عزّت کی روزی، روزگار دیا، عزت کا روزگار۔ اور اس کے ساتھ اللہ جلّ شانہ نے ہمیں "اپنے کام" کے لیے منتخب کیا....... خالص "اپنا کام"......... اس سے بڑھ کر اور اونچا کام کیا ہوگا؟! حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے سند عطا کر دی ہے کہ «خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه»۔

خاص انعام کا تقاضا خاص شکر ہے

سب سے پہلی چیز تو یہی ہے کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، ہمارے اساتذہ درسگاہ کے اندر داخل ہوتے ہی ہر کتاب کے شروع میں ہمیں یہ سبق دیتے تھے کہ اخلاص پیدا کرو، ہم سب اس بات کے شاہد ہیں کہ ہر درسگاہ کے اندر جب بھی کوئی کتاب شروع ہوئی، کہا گیا "اخلاص کو مستحضر کرو، نیّت درست کرو"۔ یہ کس وجہ سے ہے! اللہ تعالیٰ تو روزی دے رہے ہیں، بھنگی کو بھی دے رہے ہیں، وزیر اعظم کو بھی دے رہے ہیں، ہم مولویوں کو بھی دے رہے ہیں۔ لیکن کس کو کس طریقے سے دے رہے ہیں؟!

دیکھیے! کچھ دیر پہلے ہم نے کھانا کھایا، کس قدر اعزاز و احترام کے ساتھ ہمارے لیے دستر خوان بچھا کر کھانے کو چُنا گیا، پھر ہمیں لے لے کر دیا جانے لگا کہ یہ کھالیجیے، ہم سب نے مل کر کھایا۔ ایک وہ بھی ہیں جو راستے میں لائن میں لگے کھڑے ہیں، اور خیراتی اداروں کا دستر خوان لگا ہوا ہے۔ ایک وہ بھی ہیں ہیں جو ہوٹلوں کے سامنے لائن میں کھڑے ہیں، توقع لگا کر بیٹھے ہیں کہ کوئی صاحبِ خیر آئے گا، ہوٹل والے کو پیسے دے گا تو وہ دو چار ٹکڑے ہمارے سامنے ڈال دے گا۔

کھانا وہ بھی کھا رہے ہیں، زندگی ان کی بھی گذر رہی ہے۔ لیکن اعزاز کی زندگی اللہ نے ہمارے لیے منتخب فرمائی۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے سروں پر کون سے سُرخاب کے پر ہیں جس کی وجہ سے اللہ ہمیں نواز رہے ہیں اور ان کو در بدر کر رہے ہیں۔ کس وجہ سے اللہ جلّ شانہ نے ان کو رُلا رُلا کر رزق دیا، وہ اپنے گھر والوں کے لیے کچھ نہیں بھیج سکتے، خود پیٹ بھر کر کھانا کھالیں بہت ہے، اور ہمیں اللہ تعالیٰ اس وسعت اور فراخی کے ساتھ اور اعزاز و اکرام کے ساتھ دے رہے ہیں؟ آپ شہر کے کسی بھی ہوٹل میں چلے جایئے، اپنی گاڑی میں تھوڑی دیر کے لیے آپ کھڑے ہو جائیں گے، کچھ کھانے پینے لگیں گے، کتنے مانگنے والے آتے ہیں۔ آپ نے کوئی تکّہ لیا اور اسے چوس کر ایک طرف ڈال دیا، تو بھک منگا اسے لے کر آپ کے سامنے کھانا شروع کر دیتا ہے۔ اندازہ لگایئے اللہ پاک نے ہمارے اوپر کیا کرم کیا!!۔

سب سے پہلی چیز میں آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ جلّ شانہ نے ہمیں خواہی نخواہی اس کام کے لیے منتخب فرمایا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (الحجر ۱۱) اللہ تعالیٰ بغیر مانگے نعمت دیتے ہیں، ہم نے اللہ پاک سے نہیں کہا تھا کہ اے اللہ ہمیں ایسے گھرانے میں پیدا کر جو مسلمان ہو۔ ہم نے اللہ پاک سے نہیں کہا تھا کہ اے اللہ پاکستان کے اندر پیدا فرما جو مسلمانوں کا ملک ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں یہ نعمتیں بغیر مانگے دی ہیں، ہمارا کون سا استحقاق تھا؟ لیکن اللہ پاک نے بغیر استحقاق کے جو نعمت دی اس کے برقرار رکھنے کا طریقہ آپ حضرات کو معلوم ہے، قرآن کریم نے اصول بتا دیا ہے کہ اگر شکر کرو گے اور قدر کرو گے تو نعمت باقی بھی رہے گی اور اس میں اضافہ بھی ہو گا، اور اگر شکر نہیں کرو گے اور قدر نہیں کرو گے تو یہ نعمت بھی چِھن جائے گی اور نعمت کی جگہ نِقمت آجائے گی۔

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾۔) النحل: ۱۶) ایک تو نعمت امن واطمینان ہے ﴿اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾، اور دوسرے نعمتِ فراوانیِ رزق ہے ﴿يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾، ﴿فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ﴾، سو اللہ تعالیٰ کی ان دونوں نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری ہوئی تو نہ صرف یہ کہ نعمت چِھن گئی بلکہ اس کے ساتھ لباسِ جوع وخوف ان کے اوپر مسلّط کر دیا گیا۔

علمی مرکز سے وابستگی کی نعمت کا شکر کیسے ادا کیا جائے؟

آپ کو معلوم ہے کہ نعمت کا شکر کس طرح ادا کیا جاتا ہے؟ دیکھیے! آپ ایک ادارے سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ کو اسی ادارے میں یا کسی اور ادارے میں مدرّس بننے اور دین پھیلانے کا موقع مل گیا، یہ جو اللہ نے آپ کو نعمت دی ہے، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ سے بڑھ کر کوئی صلاحیت والا نہیں ہے؟ اسی وجہ آپ کا انتخاب ہوا ہے؟! کسی اور کا نہیں ہوا۔ کتنے سارے لوگ ڈگریوں والے ہیں؟ کتنے سارے اہلِ علم صلاحیتوں والے ہیں؟ لیکن اصل چیز اللہ جلّ شانہ کا انتخاب اور اصطفاء ہے۔ اللہ جلّ شانہ نے آپ کا اصطفاء اور اجتباء کیا اور چنا اسی وجہ سے آپ اس لائن میں آ گئے۔ اس لائن کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ خدارا! آپ اپنی اس عظیم نعمت کو مادّیت کے ساتھ متعلق نہ کریں، آج ہمارا مسئلہ یہ ہو گیا ہے کہ ہم نے ساری چیزوں کو مادّیت کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ جیسے دنیاوی لوگ ہیں۔ ایک آدمی اپنے بچے کو اسکول میں بھیجتا ہے، اور بڑی فیسیں دے کر اسے پڑھاتا ہے۔ دس دس بیس بیس ہزار فیسیں دے رہا ہے، اتنی بڑی فیس!؟ کہا کہ

نہیں! آج جو میں دس ہزار ماہانہ خرچ کررہاہوں، یہ آئندہ ایک دن میں دس ہزار دے گا، اس وجہ سے میں خرچ کررہا ہوں، اسے یہ توقع ہے۔

لیکن ہماری تعلیم کے اندر یہ توقع تو ہے نہیں، اور ہماری تعلیم ایسی مادّیت پر مبنی ہے ہی نہیں۔ ہمارے ہاں جو تعلیم مدارس میں دی جاتی ہے اور پھر رجالِ کار تیار کرتے ہیں اور ان کو جو تربیت دی جاتی ہے وہ اس حیثیت سے دی جاتی ہے کہ تم اپنی اس تعلیم کو دنیوی اور مادّی چیزوں کے ساتھ مربوط نہ کرو۔ تم دنیا سے محروم نہیں رہوگے، آپ اپنا مشاہدہ بتایئے اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ ایک دنیوی لائن کا بہت بڑا آدمی ہو، عصری تعلیم میں بہت بڑا آدمی ہو، اور ایک سیدھا سادہ فارغ التحصیل فاضل ہو، دونوں کے رزق اور روزگار میں مادّی اعتبار سے اور نوٹ گننے کے اعتبار سے فرق کا نہیں کہہ رہا ہوں لیکن فراخیِ عیش کے اعتبار سے، کھانے پینے کے اعتبار سے، رزق کی فراہمی کے اعتبار سے آپ فرق دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی وُسعت دی ہے اور ان لوگوں کو ہر وقت دھڑکے میں لگار کھاہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک آدمی میرے پاس آیا، وہ ایک دواساز کمپنی کا مالک ہے، اندازہ لگایئے، دواساز کمپنی کا مالک ہونے کا مطلب ہے کہ وہ ہیرے جواہرات کا مالک ہے۔ وہ میرے پاس صرف یہ دعا لینے کے لیے آیا کہ فلاں ڈاکٹر کے ساتھ میرا رابطہ ہے، وہاں میں نے کچھ مال مسالہ لگایا ہے، وہ میری دوائیں مریضوں کے لیے لکھتے ہیں، وہ مجھ سے بگڑے نہیں۔ اگر وہ بگڑ جائے تو میری آمدنی میں کمی ہو جائے گی، میں بہت ڈر رہا ہوں۔ ایک مہینے سے ڈاکٹر صاحب میرا نسخہ نہیں لکھ رہے ہیں۔ آپ اندازہ لگارہے ہیں ایک دواساز کمپنی کا مالک ڈر رہا ہے کہ میرے روزگار کے اندر کمی آجائے گی۔ ایک معمولی سے ڈاکٹر کی وجہ سے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ جلّ شانہ نے ہمیں کس طریقے سے رکھا ہے۔

میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ دنیا ہماری جائے گی نہیں، دنیا کی نیت کرنے کی ضرورت تو ہے ہی نہیں! دنیا ویسے ہی آئے گی۔ بغیر مانگے آئے گی۔ اللہ پاک نے ہمیں نعمت دی ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے اندر یہ نعمت برقرار رکھنے کی صلاحیت دے دے، اس صورت میں کتنی نعمت ملے گی۔ اگر ہم اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کریں تو اللہ کی کتنی نعمتوں کی بارش ہو گی ﴿لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾، یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ کفران ہم سے نہ ہو۔

ادارے سے ہماری وابستگی رسمی نہیں ہونی چاہیے

میں سب سے پہلے اپنے آپ سے مخاطِب ہوتا ہوں اور پھر اپنے تمام ساتھیوں اور یہاں پر جو معزز بزرگ حضرات ہیں، سے یہ گذارش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں اس پیشے اور اس لائن سے وابستہ کیا ہے تو ہماری یہ وابستگی رسمی نہیں ہونی چاہیے۔ ہماری یہ وابستگی صرف ظاہری ضابطے اور قاعدے کی نہیں ہونی چاہیے، کہ اصول اور ضوابط کے اندر یہ لکھا ہے اور میں اس کے مطابق سائن کرتا ہوں اور میں آج سے آپ کا ملازم ہوں اور آپ میرے بڑے ہیں، اور اس کے بعد میں اس اصول کے مطابق چلوں گا۔ ٹھیک آٹھ بجے میری ڈیوٹی شروع ہو گی، ٹھیک پانچ بجے میری ڈیوٹی ختم ہو گی۔ اور اس کے بعد اللہ اللہ خیر سلّا! میرا اور آپ کا کوئی رابطہ نہیں۔ اگر اس طریقے سے آپ چلیں گے تو کوئی آپ پر انگلی تو نہیں اٹھاسکے گا، کوئی آپ میں عیب تو نہیں نکال سکے گا کیونکہ آپ ڈیوٹی کررہے ہیں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آنے دے

رہے ہیں، پورا وقت دے رہے ہیں، جو محنت مطلوب ہے وہ کر رہے ہیں۔

لیکن...! یہ رسم تو ادا کرنا ہوا، فرض تو ادا کرنا ہوا، نوافل اور سنتیں کہاں ہیں؟! اللہ تعالیٰ تو ہم سے فرائض کے آگے پیچھے سنتیں بھی مانگ رہے ہیں ناں! پھر آپ صرف اور صرف روزگار کے لیے تو یہاں نہیں آئے۔ روزگار ثانوی چیز ہے، خدمت اصل ہے، تعلیم کی خدمت۔ اس لیے اس کو اصل بنانے کی ضرورت ہے۔ اور اصل بنانے کی صورت میں آپ کو صرف رسمیات پر عمل کرنے کے بجائے، صرف ضابطے پر عمل کرنے کے بجائے، قواعد اور ضوابط سے کچھ بالا ہو کر "رابطے" کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر آپ شاید کامیاب نہ ہو سکیں۔ روٹین کے مطابق کام کرنے کی وجہ سے آپ پر کوئی عیب تو نہیں آئے گا لیکن آپ کی کارکردگی سامنے نہیں آئے گی۔

امام محمد بن الحسن شیبانی رحمہ اللہ کا عجیب واقعہ

امام محمد بن الحسن شیبانی رحمہ اللہ کسی کے ملازم نہیں تھے، دن رات طلبہ کی خدمت کرتے تھے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ طلبہ کی خدمت کرنے کا موقع دن کو ہے، رات کو نہیں۔ دن میں پڑھاتے تھے، اور رات کو عبادت کرتے تھے اور امام محمد رحمہ اللہ کا معمول تو یہ تھا کہ رات کو استنباط کر رہے ہوتے تھے۔ لیکن امام اسد بن الفرات رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں سے سب کچھ پڑھ کر عراق میں امام محمد رحمہ اللہ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت! میں بہت دور سے آیا ہوں، یہاں کا نہیں ہوں، المغرب سے آیا ہوں، افریقہ کا ہوں، طلب لے کر آیا ہوں، آپ تو سب کو پڑھاتے ہیں میں بھی پڑھ لوں گا لیکن میں آپ سے خصوصی وقت چاہتا ہوں۔

امام محمدؒ کو آپ کون سا منصب دیں گے؟ مہتمم، صدر مہتمم، چانسلر، وائس چانسلر؟ وہ تو ان تمام عہدوں سے بہت بالا تھے، مصروفیات کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ نے ان کو وقت دیا، اور وقت بھی کیا دیا؟! فرمایا کہ تہجّد کے وقت آجاؤ، فجر سے پہلے۔ اس وقت پڑھاؤں گا۔ استاد متیقظ ہیں، اور شاگرد جوان ہیں، پھر بھی، ان کے اندر وہ تیقظ کہاں! جوانی میں نیند ہوتی ہے، پیاری بھی اور بھاری بھی۔ ان کو اونگھ آتی ہے، طلب ہے صادق، لیکن طبیعت سے مجبور! لا سلطان علی النوم، نیند کے اوپر تو کسی کا غلبہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا استاذ کے سامنے اونگھ رہے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ اپنے شاگرد کے سامنے پیالے میں پانی رکھ کر، پانی چھڑک رہے ہیں۔ (۱)

یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے، اس واقعہ سے میں صرف اتنی بات بتانا چاہ رہا ہوں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے ان کو خلافِ معمول وقت دیا ہے، کس کھاتے میں دیا ہے؟! رُوٹین کے مطابق وہ دن میں پڑھا سکتے تھے۔ آپ کے سامنے زیادہ مثالیں رکھنے کی بھی ضرورت نہیں، سب کے سب خوب ادراک رکھنے والے ہیں۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہم جو محنت کر رہے ہیں وہ کس قدر ہے، اور اس میں کس قدر اضافے کی ضرورت ہے؟ پھر ہماری کشاکشی جو چل رہی ہے؟ اس کے تناظر میں ذرا دیکھیے کہ ہم جو محنت کر رہے ہیں اور جو محنت ہمیں کرنی چاہیے دونوں میں کیا تناسب ہے؟

علماءِ دین کو ایک چیلنج کا سامنا ہے؟

ہمارا تعلق برّصغیر سے ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس پر قبضہ کیا، ہمیں محکوم بنایا، ہمارے دین ایمان کے اوپر ڈاکہ

(۱) دیکھیے ترتیب المدارک ۳/۲۹۳۔

ڈالا، پھر ہمارے اندر سے علم کو ختم کرنے کے لیے ہمارے علماء کو ایک ایک کرکے پھانسی کے تختے پر چڑھایا۔ توپ کے دھانے پر باندھ کر اڑایا، علم کے سلسلہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہمارے بزرگوں نے اس افتاد اور آزمائش کا نتیجہ یہ نکالا کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے ایمان اور علم کو مضبوط کرنا ہے۔ لہٰذا ہمارے بڑوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، مظاہر العلوم کی بنیاد ڈالی، ڈابھیل کی بنیاد ڈالی، ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی۔ اس طریقے سے مدارس کی کثرت ہوگئی۔

دوسری طرف آپ دیکھیں انگریزوں نے تعلیمی میدان میں مقابلہ کرنے کے لیے لارڈ میکالے کو ہمارے اوپر مسلط کیا اور یہاں پر اس نے نظامِ تعلیم دیا۔ ”شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار“ سر سید احمد صاحب نے اس نظامِ تعلیم کو لیا اور اس کو مسلمانوں کے اوپر مسلط کیا۔ اسی نظامِ تعلیم کے پڑھے ہوئے حکمران بن رہے ہیں، اقتدار میں آرہے ہیں۔ اسی نظامِ تعلیم کے پڑھے ہوئے مختلف میدانوں میں کارکردگی دکھاکر آگے بڑھ رہے ہیں۔

ہندوستان میں- جہاں انگریز مسلط تھے- یہ کام نہیں ہو سکا کہ دینی تعلیم کی سرکاری طور پر سرپرستی ہوتی، پاکستان بن گیا۔ پاکستان کے بن جانے کے بعد اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں تو ایسا ہونا چاہیے تھا کہ نظامِ تعلیم ایک ہوتا، جس میں دنیا کا بھی خیال ہوتا اور دین کا بھرپور خیال رکھا جاتا، دونوں چیزوں کو لے کر ہم چلتے۔ ہمارے پاس دینی علماء بھی ہوتے، اور دنیوی ماہرین بھی ہوتے۔

لیکن ہمارے اوپر مسلّط ہونے والے کون لوگ تھے؟ وہی سر سید اور لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم والے۔ ہمارے علماء نے کہا کہ لو! یہاں تو کشاکشی پھر شروع ہوگئی، شروع کرو مدرسے! چنانچہ خیر المدارس کو جالندھر سے اٹھاکر ملتان میں بسادیا۔ وہاں ٹنڈو الہ یار میں مدرسہ بن گیا۔ یہاں مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم کی بنیاد ڈالی۔ ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بنوری ٹاؤن سے اپنا سلسلہ شروع کیا۔ ہمارے اکابرین نے یہ سمجھ لیا کہ کشاکشی جاری ہے۔ چنانچہ نظام تعلیم کے اعتبار سے ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔

ہمارے اکابرین چاہتے تو اس وقت عصری تعلیم کو اپنے ہاں جگہ دے سکتے تھے۔ لیکن جہاں مقابلہ ہوتا ہے وہاں مقابل کی کسی چیز کو قبول نہیں کیا جاتا، اور پھر ان حضرات کے سامنے یہ بھی تھا کہ اثرات کیسے ہوں گے؟ نتیجہ تو ارذل کے تابع ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ان حضرات نے خالص اسی نظامِ تعلیم کو رائج کیا جو نظام دیوبند اور سہارنپور میں اور دیگر اداروں میں رائج ہے۔

اب دیکھیے! وقت گذرتا رہا پاکستان کے اوپر حالات اور انقلابات آتے رہے، بتلائیے! کوئی تبدیلی آئی؟ اس میدان میں کوئی ایسی تبدیلی آئی ہے کہ ہم نے اپنے مد مقابل کو رام کر لیا ہو یا پھر وہ تھوڑے سے مائل ہوئے ہوں؟ آپ واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں یونیورسٹیاں ہیں، کالجز ہیں، سکولز ہیں، ان کے حالات کس قدر دگرگوں ہیں، مگر جو بھی حکومت آتی ہے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی بھی طریقے سے مدارس کی اصلاح کریں۔ ان کے ہاں اسکول کی عمارتوں میں گائے بھینس باندھ رہے ہیں، اور اساتذہ گھر بیٹھے تنخواہیں لے رہے ہیں، اس کی اصلاح کی ضرورت نہیں۔ اصلاح کی ضرورت ہے تو مدارس کو ہے، اصلاح کی ضرورت ہے تو مدارس میں پڑھنے والوں کی! ان کے پیٹ میں درد اٹھتا ہے کہ مدارس میں پڑھانے والے علماء ننگے ہیں، بھوکے ہیں، کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہے، ان کے لیے روزگار مہیا کیا

جائے۔ بتلائیے کسی قسم کی کوئی کمی آئی ہے رجحان اور سوچ میں؟ نہیں آئی۔

آج ہمارا مقابلہ ملک کے نظام تعلیم کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ان کے آباواجداد کے ساتھ ہے، کہ آج بھی ہمارے یہاں کوشش یہ ہے کہ آدمی ذہنی اعتبار سے فرنگی بنے، فرنگی سوچ ہو، اس کے اندر مذہب کا گوشہ نرم ہوتے نہ ہونے کے برابر ہوجائے۔ اور اگر کوئی شخص مذہب پر عمل کرنے والا ہو تو اسے گھور گھور کر دیکھا جائے کہ اچھا! تم بھی مذہب پر عمل کرتے ہو؟! ان کی سوچ یہ ہے۔ اور ہم ان حالات میں، کہ میدان میں ہمیں للکارنے والے موجود ہیں، یہ سوچیں کہ ہم تو رُوٹین کا کام کریں گے، ہم معمول کے کام سے ہٹیں گے نہیں! پھر تو یہ پیٹ کا مسئلہ ہوا، روزگار کا مسئلہ ہوا، خالص مادّیت پسندی ہوئی، مشن کا مسئلہ تو نہ ہوا۔ ہمارا مشن کیا ہے؟ ہماری مہم کیا ہے؟ اور ہمیں کس نہج پر چلنا ہے؟ اور کہاں تک پہنچنا ہے؟ یہ جذبہ ہم اپنے اندر پیدا نہ کریں تو ایسی صورت میں ہم کامیاب کیسے ہوں گے؟

نہ معلوم میں آپ کو سمجھا پا رہا ہوں یا نہیں؟ میں یہ ادراک کروانا چاہ رہا ہوں، میں اپنے دل کے اندر بھی یہ بات بٹھانا چاہ رہا ہوں اور آپ کے سامنے بھی یہ بات رکھنا چاہ رہا ہوں کہ دشمن جس روٹین پر چل رہے ہیں وہ تو نظام ہی شروع سے انہوں نے ایسا بنایا ہے کہ نماز جائے تو جائے، لیکچر نہ جائے، نماز ثانوی چیز ہے، یہ ان کا معمول ہے۔ ہمارے قرآن کریم میں، احادیث میں، فقہاء کی کتابوں میں، امت کے اجماع میں نماز باجماعت کی جو حیثیت ہے وہ معلوم ہے۔ جماعت سنتِ مؤکدہ واجب کے قریب ہے یا واجب ہے، دو ہی قول ہیں۔ ویسے نماز ظاہر ہے فرض ہے۔ لیکن ہمارے دوسری لائن کے نظامِ تعلیم والوں کے نزدیک جماعت اور نماز کی کوئی اہمیت نہیں، لیکچر اہم ہے۔ چاہے جمعہ کی نماز جائے، لیکچر اہم ہے۔ لیکچر بھی چاہے کسی فلم ڈرامے کے بارے میں ہو، وہ چیز اہم ہے، وہ اپنے نظام اور اپنی تربیت کو لے کر چل رہے ہیں۔ اور ہم نے اپنے مقصد کو ایک روٹین اور معمول کے اندر محدود کردیا، آگے بڑھ کر کام کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کررہے۔

ہماری بے حسی کی حالت

ہماری کلاس میں مثلاً ایک طالب علم ہے جو بہت اچھا چل رہا ہے۔ ظاہر ہے ہم اس کو سب کے ساتھ لے کر چلیں گے، لیکن کیا میری اور آپ کی -جو اساتذہ کہلاتے ہیں- یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ میں اس طالب علم کی ایسی رکھوالی اور نگرانی کروں کہ سب کے ساتھ بھی چلے تب بھی نمایاں ہو کر آگے بڑھے۔

جوہر شناسی اور حوصلہ افزائی کی ایک مثال

ایک چھوٹی سی مثال میں دے رہا ہوں۔ آپ سب واقف ہیں، آغاخانی کمیونٹی سے۔ ان کا ہر فرد چاہے ٹھیلے والا ہو یا آفیسر اور تاجر ہو، جو کچھ کمائے گا اس کا مخصوص حصہ جماعت خانے میں جائے گا۔ دوسرے یہ کہ برادری کے اندر چھوٹے سے چھوٹے طالب علم سے لے کر اوپر کے لیول تک جہاں کہیں طالبعلموں کے اندر کوئی ٹیلنٹ دیکھتے ہیں، تو اس کے اوپر نظر ہوتی ہے، اسے اُچک لیتے ہیں اور وہاں سے اٹھا کر اونچی درسگاہ میں بھیجتے ہیں، اگر ملک میں نہ ہو تو باہر ملک میں لے جاتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے ڈگری دلا کر اسے واپس لاتے ہیں اور ہمارے سروں پر آفیسر بنا کر مسلط کردیتے ہیں۔ انہوں نے یہ مشن بنایا ہے اس وجہ سے یہ کام ہوا ہے۔

کیا ہم بتا سکتے ہیں کہ ہم نے کتنے طالبعلموں پر اس طرح محنت کرکے اور ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرکے ہم نے

امت کے سامنے پیش کیا ہے؟۔ اس کام کے ہم زیادہ حقدار نہیں؟! ہم احق ہیں اس کے، لیکن ہم ایک مخصوص ”مہتمم اور مدرّس“ کے دائرے کے اندر رہتے ہیں، کہ مہتمم میری رعایت نہیں رکھ رہا، میں اتنا کام کیوں کروں؟ اور مہتمم صاحب اس فکر میں ہیں کہ دو سو (۲۰۰) روپے میں اگر کام چل سکتا ہے تو تین سو (۳۰۰) روپے کیوں خرچ کروں؟ اس محدود دائرے میں رہنے کی وجہ سے کیانقصان ہورہا ہے کہ ہماری نظریں آفاقی نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ بوجھ کے اندر وسعت نہیں ہے، اس وجہ سے ہم محدود ہو کر رہ گئے۔ اور محدود ہوتے ہوتے ہم نے اس مشن کو بھلادیا، روز گار کو مقصد بنالیا۔ اور اگر روز گار کو مقصد بنالیا ہے تو معاف کیجیے گا یہ سوال صرف آپ سے نہیں میں اپنے آپ سے بھی کرتا ہوں کہ مجھ میں اور ایک بھنگی میں کیافرق ہوا؟ بھنگی بھی روز گار حاصل کررہا ہے، میں بھی روز گار حاصل کررہا ہوں۔ کوئی ممتاز چیز میں نہیں دے رہا ہوں، پروڈکشن میں نہیں دے رہا ہوں، تو میرا دین پڑھنے، پڑھانے دین کے ساتھ وابستہ ہونے اور دینی ادارے میں رہنے کا فائدہ کیا ہوا؟

ضابطہ سے بڑھ کر کام کرنے کی ضرورت

سب سے پہلی چیز جو میں آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ایک ملازمت کے کچھ قوانین وضوابط ہیں جو فقہ کے اندر بھی موجود ہیں۔ ظاہر ہے ان کی ہمیں پابندی کرنی پڑے گی، ان چیزوں سے بالاتر ہو کر زیادہ دینے کی کوشش کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے کیا فرمایا «زِن وأرجح»[1] کہ جتنی قیمت بنتی ہے وزن کر کے دو اور صرف اتنی ہی نہیں بلکہ بھاری کر کے، راجح اور زیادہ کر کے دو۔ تو آپ نے ملازمت کا جو معاہدہ کیا ہے، وہ «زِن» برابر کریں «وأرجح» تھوڑا سا اس میں اضافہ کر دیں، جھکا دیں اپنے پلڑے کو۔ اس کا فائدہ امت کو تو ظاہر ہے ہو گا، اصل فائدہ آپ کو ہو گا۔ یہ فائدہ وہ ہے جو امت کی نظر میں نہیں ہے، ظاہری اکاؤنٹ کے حساب کتاب اور کھاتے میں نہیں ہے۔ البتہ اللہ کے حساب میں ہے۔ اس طریقے سے محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اپنے ذہنوں کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

کسی ادارہ یا اجتماعی مقام پر کام کرنے کا طریقہ

جب کسی ادارے کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے تو کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔ ایک انفرادی آدمی کی صلاحیت انفرادی ہوتی ہے، اور جب کسی اجتماع کے اندر انسان آجاتا ہے اور جب کچھ قواعد وضوابط کے دائرے میں آجاتا ہے تو زیادہ پھڑ پھڑا تو نہیں سکتا لیکن اجتماع کی جو قوت ہوتی ہے وہ انفرادی قوت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

مثلاً میں جس ادارے کے اندر ہوں، میں ہوں، میرے ساتھی ہیں، آپ جیسے احباب ہیں، یہ ادارہ ایک مشین کی مانند ہے، اس مشین کے ہم کل پُرزے ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی جگہ پر فِٹ اور منطبق کیا گیا ہے۔ میں مہتمم ہوں، میں ایک کَل اور پرزہ ہوں، اور میرے ساتھ دوسرا ساتھی ہے، اس کا کام اس طرح حرکت کرنا ہے، ہر ایک کے اپنے وظائف اور ذمہ داریاں ہیں اور یہ سب مل کر ایک مشین ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس مشین کے ایک ادنیٰ پرزے کے اندر بھی خرابی ہو گئی تو پوری مشین بے کار ہو جاتی ہے۔ ہم نے بہت بڑا جنریٹر خریدا، چلایا، ایک دن تو صحیح چلا، دوسرے دن

(۱) سنن النسائی، کتاب البیوع، باب الرجحان في القدر، رقم ٤٥٩٢۔

دیکھاتواس کے اندر سے دھڑ دھڑ کی نامانوس آواز آرہی ہے۔ تیسرے دن دیکھاتواس کا کوئی نَٹ نکل گیاہے۔ اب جنریٹر ٹھیک کرنے والے کو ڈھونڈرہے ہیں، اسے بلارہے ہیں، گرمی کی وجہ سے ہمارے بچے تکلیف میں ہیں۔ مشین کام نہیں کررہی، کہ محض ایک نٹ ٹوٹ کر گر گیاہے۔

ہم آہنگی اور یکجہتی

ادارہ اسی طرح ہوتاہے، اگر ادارے کے افراد اور اساتذہ کے اندر ہم آہنگی نہ ہو، اسی طرح مہتمم اور اساتذہ کے درمیان ہم آہنگی نہ ہو، اتحاد اور یکجہتی نہ ہو، سوچ کے اندر یگانگت نہ ہو، تو سمجھ لیجیے کہ وہ ادارہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ تجربہ کار حضرات بھی یہاں پر موجود ہیں، ان کو بھی معلوم ہے اور آپ حضرات بھی تجربہ رکھتے ہیں، آپ کو بھی یقیناً معلوم ہوگا کہ ایک ادارے کے اندر پڑھانے والے، مثلاً میں شرح جامی پڑھاتاہوں، آپ محیط الدائرہ پڑھاتے ہیں، آپ اصول الشاشی پڑھاتے ہیں، آپ ترمذی اور بخاری پڑھاتے ہیں، اگرچہ ہم کتابیں الگ الگ پڑھارہے ہیں، یا ہم نے فن وار کتابیں تقسیم کرلی ہیں، میں ادب پڑھاتاہوں، وہ منطق پڑھاتے ہیں، یہ اصولِ حدیث و تفسیر پڑھاتے ہیں، لیکن ایک ادارے میں ہونے کے باوجود ہمارے درمیان اگر ایکا نہ رہے، سوچ کے اندر یکتائی نہ رہے تو میں نے جو تجربہ کیاہے وہ یہ کہ اس ادارے سے برکت اُٹھ جاتی ہے اور وہ اندر سے کھوکھلے ہوجاتے ہیں۔ اس لیے اطاعت اور مان کر چلنے کی ضرورت ہے۔

بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری

اطاعت کی کیا حیثیت ہے؟ وہ درجہ بدرجہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بتلادیا کہ «اسمعوا وأطيعوا وإن استعمل عليكم عبد حبشي كأن رأسه زبيبة»[1] کیا عجیب بات فرمائی ہے، ظاہر ہے یہ باقاعدہ خلیفہ کی بات نہیں ہے، ویسے ہی مطلق امارت ہے، اگر کسی کو امیر بنادیا جائے تو اس کی اطاعت کرنی ہے نیچے والوں کو، چاہے وہ سینیر (senior) ہو یا جونیر (junior) ہو، اور اطاعت بھی دائرے اور فرائض کے اندر رہتے ہوئے بھرپور اطاعت دل سے کرنی ہے۔ رات کے تین بجے ہیں اور ریڈ سگنل ہے تو آپ سگنل توڑ کر چلے جائیں یہ نہیں ہوسکتا، ایسا کرنا صحیح نہیں۔ اطاعت ہونی چاہیئے اور بھرپور ہونی چاہیے۔ چاہے آپ کے اوپر کیمرالگاہواہو یانہ ہو، آپ کی نگرانی ہو یانہ ہو۔ آپ کے دل اور سینے کے اندر کیمراہوناچاہیے۔ اگر اساتذہ کے درمیان ہم آہنگی نہ ہو تو اس صورت میں نتیجہ بہت برانکلتاہے۔

اس سے بھی بڑھ کر ایک ہے ہم آہنگی نہ ہونا، ایک ہے اختلاف بڑھانا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ آپ حضرات کے اندر ایساہے، لیکن عام طور پر دیکھاجاتاہے کہ ایک مدرّس دوسرے مدرّس کے سلسلے میں دل کے اندر حسد پال رہاہوتا ہے۔ خاص طور پر ابتدائی مدرّسین کے اندر یہ بات بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور پھر شروع سال میں جب کتابوں کی تقسیم ہوتی ہے، اس کے اندر بہت زیادہ جذبات گرم ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس کو فلاں کتاب مل گئی اور مجھے ترقی نہیں ملی، اور اس کے بعد اس کے عیوب ڈھونڈناشروع کردیتے ہیں۔ وہ حضرات جو ایک مشین کے کَل پرزے کی مانند تھے اور دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار تھے، وہ اپنے اندر دراڑ پیدا کررہے ہیں تاکہ دشمن آئے اور نقب لگا کر اندر آجائے۔ کس قدر نقصان کی بات ہے اندازہ لگایئے!۔ وہ ادارہ کبھی پنپ نہیں سکتا جس کے اندر ماتحت اپنے بڑوں کی اطاعت نہ کریں، جس

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، رقم ٧١٤٢۔

کے اندر بڑے صرف اپنے بڑے پن کے اوپر برقرار رہیں اور ماتحتوں کی مثبت سوچ کے مطابق معاملہ نہ کریں۔ ادارے کی ترقی کے لیے ضروری ہے وہ اپنے ماتحتوں کے تمام ذہنوں کو لے کر چلیں، اصول وضوابط پر تو سمجھوتہ نہ کریں، لیکن بہت ساروں کی بہت ساری چیزیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ دس طبیعتوں کو جمع کیا گیا ہے تو دس طبیعتوں کو لے کر آپ کو چلنا ہوگا۔ لیکن یہ جو دس طبیعتیں ہیں ان کے ذمے زیادہ لازم ہے کہ اپنے بڑوں کو بھی مانیں اور اپنے ساتھیوں کا بھی اس طریقے سے لحاظ کریں کہ آپس میں ایثار سے کام لیں، اکرام کا معاملہ ہو، اپنے سے بڑا سمجھیں، ہمیں جو تواضع کا سبق پڑھایا جاتا ہے، عملاً ہم یہاں منطبق کریں، اس کے بعد ہی کوئی ادارہ ترقی کرتا ہے۔

طلبہ مدرّسین کے ہاتھوں میں ایک عظیم امانت

میں ایک بات اور کہنا چاہوں گا، آپ کے سامنے ہمارے طلبہ، ہمارے بچے ہیں، کوئی ۸ سال کا، کوئی ۵ سال کا، کوئی ۱۰ سال کا، کچھ بڑے ہیں، یہ ہمارے پاس آئے ہیں، اور انہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی ترین لمحات ہمارے ہاتھ میں دے دیے ہیں، ان کی جوانی، ان کا پورا مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم جس طرح چاہیں اس کو استعمال کریں۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجیے ہمارے اوپر کوئی سربراہ ہماری نگرانی کے لیے نہیں ہے، لیکن کل جب اللہ کے ہاں پہنچیں گے، ان بچوں کے مستقبل کے بارے میں سوال ہوگا تو حدیث میں آتا ہے نا کہ اپنی زندگی کے بارے میں پوچھا جائے گا،(۱) مدرّس سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ اُس طالبعلم کی زندگی کے بارے میں جواب دو، پوچھا جائے گا کہ تمہارے ہاتھ میں، میں نے ۸ سال کا بچہ دیا تھا، تمہارے پاس وہ ۸ سال، دس سال رہا ہے، تمھیں اس کی زندگی کا حساب دینا ہے، اس کا حساب کیا ہوگا؟ ہم اپنے طالبعلموں کے اوپر کتنا وقت صرف کر رہے ہیں۔

آج ہم میں سے ہر ایک کو شکایت ہے، میں بھی شکایت کرتا ہوں، آپ تمام حضرات اپنے طلبہ سے متعلق شکایت کر رہے ہوں گے کہ صلاحیت نہ رہی، باصلاحیت لڑکے سامنے نہیں آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مستغنی ہے، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نکمّے سے نکمّے ترین سے کام لے لیتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے ہر شخص شکایت کرتا ہے۔ ایک طالب علم فارغ ہوگیا، اس کے بارے میں ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ مدرّس رکھ لوں؟ آپ کہتے ہیں کہ نہیں، اس کے اندر صلاحیت نہیں ہے، نہ رکھیں۔ وہ آپ کے پاس آکر کہتا ہے کہ استاد جی! آپ نے کہا ہے کہ مدرّس نہ رکھیں۔ میں نے درجہ اُولیٰ سے لے کر دورۂ حدیث تک "بیت العلم" میں پڑھا ہے، آپ کے ہاتھوں میں، میں رہا ہوں۔ دن آپ کو دیا، رات بھی آپ کو دی، میرے اندر آپ نے صلاحیت پیدا نہیں کی، یہ میرا قصور ہے یا آپ کا قصور ہے؟ کیا جواب دیں گے؟

یہ ہم اساتذہ کے سوچنے کی بات ہے کہ ہم اپنے طلبہ کی کس طریقے سے تربیت کر رہے ہیں کہ آیا فارغ کر کے ایک نکمّا پرزہ باہر پھینک رہے ہیں، ایک عضوِ معطّل ہم نکال رہے ہیں یا یہ کہ ایک کارآمد عضو بنا کر اسے معاشرے میں پہنچا رہے ہیں، اس فکر کے ساتھ ہماری محنت کتنی ہے؟

---

(۱) عن أبي برزة الأسلمي قال: قال رسول الله ﷺ: «لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن عمره فيم أفناه وعن علمه فيم فعل، وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وعن جسم فيم أبلاه». جامع الترمذي، أبواب صفة يقم القيامة، باب في القيامة، رقم ۲۴۱۷۔

میرے محترم بزرگو! جس روز سے ہم نے بطورِ مدرّس درسگاہ کے اندر قدم رکھا ہے، کیا اس روز سے یہ خیال ہمارے دماغ کے اندر ہتھوڑے کی طرح برسنا نہیں چاہیے؟ یہ مشن ہے میرا کہ ان میں سے ہر ہر طالبعلم کو کام کا بناؤں۔ میں اپنی طرف سے کوشش کرلوں گا، کم از کم اللہ کے ہاں ﴿معذرة إلى ربكم﴾ اللہ کے ہاں عذر تو پیش کر سکیں گے۔ اللہ! مجھے جتنی صلاحیت تو نے دی تھی، میں نے اتنی خرچ کرنے کی کوشش کی۔ یہ تو کم از کم ہو سکے گا، لیکن نہیں! درسگاہ کے اندر بچہ آیا ہے، میرا ۴۵ منٹ کا پیریڈ ہے، لہٰذا ہم یہ پیریڈ ختم کرکے، یہ جا وہ جا! طالب علم استاذ کو اور استاذ طالبعلم کو نہیں جانتا۔ ذمہ داری پوری ہوئی؟ نہیں! ہمارے مقابل کس طریقے سے کام کر رہے ہیں، ان کی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں؟ نِت نئے طریقے ایجاد کر رہے ہیں؟

آپ کو معلوم ہے کراچی شہر اتنا بڑا نہیں تھا، آہستہ آہستہ اس کے اندر وسعت آگئی۔ پہلے تعلیمی ادارے اتنے نہیں ہوا کرتے تھے، اب ہر گلی کُوچے کے اندر ٹیوشن اور ایجوکیشن سینٹر ہیں، ہر جگہ ادارے ہی ادارے ہیں۔ اور ان کے اندر نِت نئے طریقے ہیں، کوئی آدمی انگریزی سیکھنا چاہتا ہے، تین مہینے کے اندر وہ انگریزی فر فر سکھا رہے ہیں۔ آپ بتائیں ہم نے کوئی ایسا ادارہ بنایا ہے جو تین مہینے کے اندر عربی سکھا دیں؟ کس قدر پیچھے ہیں ہم؟ اور اس کے اوپر ہمارا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم یوں ہیں اور یوں ہیں۔

طلبہ پر محنت کا انداز

میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں اپنی محنت صرف کرنی چاہیے سب سے پہلے بنیاد پر۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہمارے پاس آگئے اولیٰ میں، میزان الصرف، نحو میر اور علم النحو شروع کر رہے ہیں، یا جدید آسان کتابیں آگئی ہیں، وہ شروع کر رہے ہیں، ہم نے ان کو محض کتاب پڑھانی ہے یا کتاب کی صلاحیت ان کے اندر پیدا کرنی ہے؟ اگر صرف کتاب پڑھانی ہے اور امتحان میں پاس کروانا ہے تو امتحان میں پاس ہو جائے گا وہ، اس کے لیے پورا سال اس کو گھسیٹنا بھی ضروری نہیں۔ کتاب آپ ایک دن اور ایک رات کے اندر ختم کر سکتے ہیں۔ اگر صلاحیت پیدا نہیں ہو رہی تو ہماری محنت کا فائدہ کیا ہے؟ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے آپ کو طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ نے گدّا لگا لیا، درسگاہ میں وائٹ بورڈ یا بلیک بورڈ نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں، آپ نے کتاب لی اور مبتدیوں کے سامنے لیکچر دینا شروع کر دیا، اس کے بعد گھنٹہ ختم ہو گیا اور آپ اٹھ کر چلے گئے۔ کتاب ختم ہو گئی۔ ایک محنت یہ ہو رہی ہے۔ اور ایک محنت یہ ہے کہ استاذ آتا ہے تو اس کے ہاتھ صاف نہیں ہوتے، اس کے ہاتھ میں چاک اور مارکر کی سیاہی کے داغ ہوتے ہیں، اور وہ آتے ہی اپنے گدّے اور نشست پر نہیں بیٹھتا، بلکہ کھڑا رہتا ہے۔ اپنے سامنے طلبہ کو لیتا ہے اور وائٹ بورڈ یا بلیک بورڈ کو استعمال کرتا ہے، اور پورا گھنٹہ بلیک بورڈ میں سبق سمجھاتا ہے اور اُن طلبہ سے سبق سنتا ہے اور اس کو منطبق کرتا ہے اور ان کو جہاں پڑھاتا ہے وہاں پڑھانے کی تربیت بھی دیتا ہے۔ یہ ہے کامیاب استاذ!

ظلم نہیں ہے کہ کوئی شخص طریقہ عصریہ پڑھائے اور بیٹھ کر پڑھائے! ظلم نہیں ہے کہ نحو میر پڑھائے اور بیٹھا رہے!! میزان الصرف پڑھائے اور بیٹھ کر پڑھائے!!! یہ ظلم اور زیادتی ہے۔ استاذ اگر بیٹھے گا تو یہ طالب علم ان شاء اللہ لیٹ کر پڑھائیں گے۔ آپ یقین کریں، ہنسنے کی بات نہیں ہے، تجربے کی بات بتا رہا ہوں۔ استاذ جس قدر چوکس ہو گا، طالب علم

اسی قدر چوکس ہوگا۔ اور استاذ نے جہاں کمزوری دکھائی طالب علم اس سے دو قدم آگے بڑھ کر کمزوری دکھائیں گے۔ آپ اگر دروس البلاغۃ اور مختصر المعانی پڑھاتے ہیں تو آپ صرف بیٹھ کر کتاب حل کرنے پر توجہ کیوں دیتے ہیں، آپ کھڑے ہو کر ان اشعار کو اور استشہادات کو بورڈ پر لکھیں، اور طالب علم کو بتائیں کہ اس میں استشہاد کہاں ہے۔ ایک آدھ دفعہ آپ بتائیں گے باقی اسے حل کرنا ہے۔ طالب علم کے ذریعے کروائیں، اور لکھوائیں۔ لکھتے لکھتے ان کو وہ استشہادات یاد ہو جائیں گے۔

آج دروس البلاغۃ کا امتحان لے لیں، تقدیمِ خبر کہاں کہاں ہوتی ہے اور اس کے استشہادات کیا کیا ہیں، طالب علم استشہادات نہیں بتاسکتے۔ کیوں کہ یاد نہیں ہے۔ "شرح قطر الندیٰ" چھوٹی سی کتاب ہے، کئی مدرسوں میں پڑھاتے ہیں۔ اس کے استشہادات کتنوں کو یاد ہیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ حالانکہ استشہادات تو زبانی یاد کرنے کی چیز ہے۔ محنت جس طریقے سے ہونی چاہیے اس طریقے سے نہیں ہو رہی۔ یہاں تو صورتحال یہ ہے کہ بعض اساتذہ درسگاہ میں داخل ہوتے ہیں تو سب سے پہلے پاؤں پسار کر بیٹھ جاتے ہیں، طلبہ آکر پہلے پاؤں دابتے ہیں۔ استاد جی کے ہوش ٹھکانے آئیں گے پھر کہیں جا کر وہ پڑھائیں گے ورنہ نہیں۔ اگر اس طریقے سے پڑھانا ہو تو ہم نے پڑھالیا۔

دوسری طرف ہمارے مقابل کے لوگ محنت کر رہے ہیں، نت نئے طریقے نکال رہے ہیں۔ مختصر مدّت اور شارٹ ٹرم میں وہ بہت ساری چیزیں دے رہے ہیں۔ اور ہم وہیں کے وہیں ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ ہم ان کی طرح کیوں نہیں کرسکتے؟ ہمیں شرمانا نہیں چاہیے ان کا طریقہ دیکھنا اور سیکھنا چاہیے۔ «الكلمة الحكمة ضالة المؤمن»[1]، ان طریقوں کو اس لائن میں استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

دورۂ حدیث میں پہنچ جاتے ہیں، صیغوں کی پہچان نہیں، حدیث کی عبارت غلط پڑھ رہے ہیں۔ امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ جو طالب علم حدیث غلط پڑھ رہا ہے، عبارت غلط پڑھ رہا ہے، نحو و صرف ٹھیک نہیں، وہ «مَن كذب عليّ متعمّداً...»[2] میں داخل نہ ہو جائے[3]۔ غلطی بنیاد سے آرہی ہے، محنت بنیاد سے کم ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی۔ یا ہو رہی ہے اور غلط طریقے سے ہو رہی ہے۔ ان تمام چیزوں کے اوپر کنٹرول کرنے کی ذمہ داری اساتذہ کے اوپر ہے۔ اساتذہ اس مشن کو لے کر چلیں گے اور اپنے طلبہ کو سمجھانے کی کوشش کریں گے تو کارآمد محنت ہوگی۔ اور اگر اساتذہ نے یہ کام نہیں کیا تو سمجھ لیجیے ان طلبہ کے مستقبل اور زندگی کو برباد کر دیا۔

میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ ایک آدمی فاضل ہو گیا، تخصص کر لیا۔ اس کے بعد جب اس نے معاشرے میں قدم رکھا تو اس کے منہ سے یہ نکل رہا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی برباد کر دی۔ جملہ کتنا بڑا ہے! سب کو کتنا افسوس ہو رہا ہے! لیکن اس کے پیچھے کیا دکھ ہے؟ کیا کرب ہے؟ کیا تکلیف ہے؟ اس کو بھی تو سمجھیں۔ کیوں کہہ رہا ہے وہ؟ ایک عاقل بالغ آدمی جو تخصص تک پڑھ چکا ہو، وہ یہ جملہ کیوں منہ سے نکال رہا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اوپر وہ محنت نہیں ہوئی اساتذہ کو جو محنت کرنی چاہیے۔ اگر یہ محنت ہوتی تو پھر وہ اس طرح نہ کہتا۔

(۱) سنن الترمذي، أبواب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، رقم ۲۶۸۷۔

(۲) صحیح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ، رقم ۱۱۰۔

(۳) دیکھیے: علوم الحديث لابن الصلاح، ص: ۲۱۷، النوع ۲۶۔

میرے کچھ ذاتی تجربات

میرے دوستو اور بھائیو! اصل بات یہ ہے کہ آپ جی جان لڑا کر ان طالبعلموں کے اوپر محنت کریں، اس کا پھل آپ خود دیکھیں گے۔ مجھے یاد ہے میں دار العلوم کراچی سے رسمی طور پر فارغ ہوا، تو مجھے مدرّس لگا دیا گیا۔ اور ابتدائی مدرّسین کو پانچ گھنٹے دیتے تھے۔ مجھے بھی پانچ گھنٹے ملے، اور پانچ گھنٹوں میں آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں تیسیر المبتدی پڑھانے کے لیے لغت "دہ خدا" تک مراجعت کرتا تھا۔ تیسیر المبتدی کے جو مصادر ہیں ان مصادر کا صحیح تلفظ حاصل کرنے کے لیے میں نے اس زمانے میں ایران سے لغت کی کتابیں منگوائی تھیں۔ اور اس کے اوپر میں نے محنت کی، اور اس طریقے سے فارسی پڑھائی ہے۔ پانچ گھنٹے میرے ذمّے تھے، میں نے پانچ گھنٹے دیے، اور الحمدللہ! ایک غیر حاضری میں نے نہیں کی۔ اس کے اوپر میری محنت کیا ہوتی تھی کہ میں عصر کے بعد بھی طلبہ کے ساتھ مشغول ہوتا تھا، مغرب کے بعد بھی طلبہ کے ساتھ مشغول ہوتا تھا، عشاء کے بعد بھی طلبہ کے ساتھ مشغول ہوتا تھا، اور رات کے دو دو، تین تین بجے تک طلبہ میرے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ وہ بھی اپنا کام کر رہے ہیں، میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں، اور بیچ بیچ میں ان کی ممکنہ رہنمائی کر رہا ہوں۔

اندازہ لگائیے ایک جوان لڑکا ابھی ابھی فارغ ہوا اور اس کی معلومات اتنی وسیع نہیں ہیں، میں کوئی غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک نہ پہلے تھا نہ اب ہوں، لیکن میرے اندر صرف اتنا جذبہ تھا کہ میں اپنے طالبعلموں کو جس حد تک ہو سکے، علم اور معلومات دوں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا، کہ ایک طالبعلم درجۂ ثالثہ میں داخل ہوا۔ نحو کی بنیادی کتابیں پڑھ چکا ہے، کچھ نہ کچھ اسے عربی آتی ہوگی، آپ یقین کریں جب ہم اسے کہتے تھے کہ «ما اسمك؟» تو جواب میں کہتا تھا «ما اسمك؟» ۔ لیکن ایسے طالبعلم کے اوپر میں نے محنت کی، اور الحمدللہ! ثم الحمدللہ! سال کے آخر تک وہ فی البدیہ عربی میں تقریر کرتا تھا۔

ایک طالبعلم میٹرک پڑھ کر آئے، پہلے سے ایک لفظ عربی کا نہیں پڑھا، سال پورا پڑھا، سال کے آخر میں قصص النبیین کا پرچہ عربی میں حل کیا۔ آج جو عربی کا رواج ہے، ہم جس وقت پڑھتے پڑھاتے تھے اس وقت عربی کا اتنا رواج نہیں تھا۔ بس! محنت کرنے والوں نے محنت کی تو اس کا فائدہ ہوا۔

آپ اندازہ لگا رہے ہیں! مجھے معلوم ہے میرے اندر کیا صلاحیت ہے! واللہ! کہہ رہا ہوں میرے اندر صلاحیت نہیں ہے، لیکن میں نے محنت کی ہے اور جی جان لڑا کر محنت کی ہے۔ اور ایک پر نہیں، کئی ساروں پر محنت کی۔ الحمدللہ! سب کامیاب ہوئے ہیں۔ محنت میں نے کی، ان طالبعلموں نے پھل پایا۔ کچھ طالبعلم تو دنیا سے رخصت ہو گئے، کچھ ہیں، وہ آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ ہمارے استاذ نے ہمارے اوپر صرف اور نحو کی محنت کی۔ علم الصرف پڑھاتے وقت مجھے نہیں یاد کہ میں نے بیٹھ کر پڑھایا ہو۔ اور علم الصرف کی تعلیلات کے ساتھ جتنی بھی گردانیں ہیں، اساتذہ اپنی کمزوری چھپانے کے لیے طلبہ سے گردانیں کرواتے ہیں کہ ہاں! سناؤ، خود نہیں سناتے۔ میں نے ہمیشہ یہ التزام کیا ہے کہ میں نے پہلے گردانیں سنائیں، کہ تعلیل کے بعد صحیح صحیح گردان تیزی سے کس طریقے سے سنائیں گے؟ اس کے بعد طالبعلموں سے سنا اور کسی کو نہیں چھوڑا۔

کچھ عرصہ پہلے دار العلوم میں پچاس سالہ جلسہ ہوا تھا، دستار بندی کے لیے سابق فاضلین آئے تھے، وہاں میرے

بعض ایسے شاگرد نظر آئے جو مجھ سے زیادہ عمر کے لگ رہے تھے، میں ان کو اپنا استاذ یا اپنا ساتھی سمجھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے آپ سے علم الصرف پڑھی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ ابھی تک ہمارے پاس کاپی موجود ہے اور ہم اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ سن کر میرا دل کتنا بڑا ہو گیا! اس سے بڑھ کر جو اللہ کے ہاں لکھا جا رہا ہے وہ کتنا عظیم ہو گا۔

آپ اساتذہ اگر محنت کریں گے تو یقین کریں کہ آپ کی محنت ذرّہ برابر ضائع نہیں جائے گی۔ آپ کو دنیا میں مادّی فائدہ تو ہو گا ہی اور آخرت میں بھی فائدہ ہو گا۔

اپنے طلبہ کو مانوس کریں

آپ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس وقت ہے نہیں، ۴۵ منٹ کا پیریڈ ہے، ہم کس کس کے اوپر محنت کریں۔ اگر آپ کا سگا بیٹا ہوتا تو آپ کا یہ جواب ہوتا؟ اسی کے اوپر آپ قیاس کر لیں، جس طریقے سے آپ راہ نکال سکتے ہیں، نکالیں۔ استاذ نے پڑھا کر چھوڑ دیا، طالب علم رات کو تکرار کر رہا ہے۔ کبھی آپ نے آکر دیکھا کہ طلبہ میری کتاب کا تکرار اور مطالعہ کیسے کر رہے ہیں۔ ان کو کچھ یاد بھی ہو رہا ہے یا نہیں؟ کیسا تعلق ہے یہ؟ اب آپ کہیں گے کہ یہ تو طالبعلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ استاذ سے رابطہ رکھے۔ میرے بھائیو! وہ زمانہ لد گیا کہ طلبہ استاذ سے تعلق رکھیں۔ بلکہ اب استاذ کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایک کے پاس جا کر ہر ایک کو قریب لائے کہ میرے پاس رہو، میرے ساتھ وابستہ رہو۔ یہ ایسا زمانہ ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ ہمارے پاس سے پڑھ کر گیا ہے، ہمارے ساتھ تعلق ہی نہیں ہے؟! میں کیوں اس کے کرب میں کام آؤں؟ یہ سوچ غلط ہے۔

آپ سوچیں کہ آپ اس ادارے میں کام کر رہے ہیں، آپ سے استفادہ کرنے والے طلبہ کہاں کہاں نہیں پہنچے، کراچی شہر ہی میں لے لیں، لیکن آپ کا اُن سے رابطہ نہیں ہے۔ آپ سب کی محنت تو ہو رہی ہے، لیکن انفرادی محنت ہونے کی وجہ سے اُن کا دائرہ بہت محدود ہو رہا ہے۔ لیکن آپ ایک شبکہ بنالیں کہ جو بھی طالبعلم مجھ سے متعلق ہے، اس کا میرے ساتھ رابطہ رہے، ہمارے ادارے سے رابطہ رہے۔ جو بھی محنت وہ کر رہا ہے، اس کی رپورٹ یہاں پہنچے۔ یہ نظام بنانا کوئی مشکل نہیں، خاص کر آج کے دور میں تو بالکل بھی نہیں۔ اندازہ لگائیے کس قدر کام ہو سکتا ہے، معاشرے کے اندر ہم کس قدر تبدیلی لا سکتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ سوچنا کہ یہ طالبعلم خود میرے قریب آئے گا تو ٹھیک ہے، نہیں آتا تو میں بھی مستغنی ہوں۔ یقیناً آپ مستغنی ہیں، اللہ نے آپ کو مستغنی بنایا ہے، ویسے بھی مادّی اعتبار سے مستغنی رہنا ہی چاہیے لیکن دینی اعتبار سے ہم کسی سے بھی مستغنی نہیں ہیں۔ ہم اس محدود دائرے کے اندر کیوں رہ گئے ہیں کہ ہم مسجد اور مدرسے کے دائرے کے اندر اس طرح محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ مسجد کے پڑوس میں جو گھر ہے اس گھر کے اندر دین نہیں ہے۔ اس کے اوپر ہمارا اثر نہیں ہے۔

میں ایک تلخ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ جامعہ فاروقیہ جس جگہ ہے، کس قدر کٹھن اور مشکل جگہ پر ہے، محنت کر رہے ہیں اور کب سے کر رہے ہیں۔ جامعہ فاروقیہ میں دنیا بھر سے لوگ آکر استفادہ کر رہے ہیں، لیکن بتا سکتے ہیں کہ شاہ فیصل کالونی سے جہاں جامعہ واقع ہے، کتنے افراد فارغ ہوئے ہیں؟

دار العلوم کراچی سے بھی دنیا بھر کے لوگ استفادہ کر رہے ہیں، لیکن دار العلوم کراچی سے ایک طرف شرافی

گوٹھ ہے اور ایک طرف کے ایریا کورنگی ہے، آپ ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گن سکتے ہیں کہ ان علاقوں سے کتنے فارغ التحصیل ہیں۔

ہم نے اپنے آپ کو اتنا محدوود کر دیا ہے کہ حد نہیں، اپنی محدودیت کو ختم کرنا ہو گا، اور اس کو ختم کرنے کے لیے کیا کرنا ہو گا، ظاہر ہے تعلقات بڑھانے ہوں گے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ لوگوں سے استفادہ کریں اور احسان لیں، جیسا کہ ہم مولویوں کے اندر بیشتر رجحان ایسا ہی ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہمیں لوگ دیں۔ اور تعلقات بڑھانے کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مولوی دیں، صرف لیکچر، وعظ اور تقریر نہیں، ہم ان کو ماڈی اعتبار سے بھی دیں۔ اللہ نے ہمیں دوروٹی کھانے کی توفیق دی ہے اپنے گھر میں، ہم اپنے گھر سے ایک روٹی بچا کر پڑوس کو کیوں نہیں دے سکتے؟ وہ خواہی نخواہی آپ کا شکریہ ادا کرے گا اور آپ کے قریب ہو گا۔ دوسرے دن چائے کی دعوت کر دی، تیسرے دن کسی تقریب کے اندر آپ نے بلا لیا، اس کی غمی کے اندر آپ شریک ہو گئے۔ قربت تو ہو گئی نا؟ اس کے بعد دین پھیلانا کتنا آسان ہے؟ ہم نے جو شکل وصورت بنائی ہے، ٹوپی، ڈاڑھی، کرتا شلوار، یہ لباس پہننے کے بعد ہم اپنے آپ کو ماورائی مخلوق سمجھنے لگتے ہیں، اپنے قریب کے لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی ہمارے قریب نہیں آتے۔

مدارس پر بیہودہ الزامات کا مؤثر جواب

کس قدر شدّ ومدّ کے ساتھ کہا جارہا ہے کہ مدارس دہشت گردی کے اڈّے ہیں، ہر مدرسے کے ساتھ مسجد ہے، مسجد کے اندر تو لوگ آتے ہیں، کبھی انہوں نے وہاں دہشت گردی کرتے ہوئے کسی کو دیکھا؟ کبھی مدرسے کے بچوں نے وہاں پر کسی سے کوئی بدتمیزی کی ہو؟ کوئی بدسلوکی کی ہو؟ مدرسے میں آنے سے کسی نے روکا ہو؟ حتی کہ ہم اپنا حساب کتاب کا کھاتہ بھی سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم سے قریب نہیں، لیکن زبان سے کہتے ہیں کہ دہشت گردی ہے۔

وجہ یہ کہ جس انداز سے ہمیں محنت کرنا چاہیے وہ ہم نے نہیں کی۔ ہمیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا چاہیے تھا وہ نہیں، ہمارے درمیان جو آپس میں رابطے کا فقدان ہے اس کی وجہ سے ہم نقصان اٹھارہے ہیں۔ اس قوم کا جزء ہوتے ہوئے اس سے الگ ہیں، جو انتہائی نقصان دہ ہے۔ ان تمام الزامات اور بیہودگیوں کا جواب یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو سکے عوام کے ساتھ للہ فی اللہ روابط مضبوط ہوں اور ان کے سامنے اپنا اور اہلِ مدارس کا اُجلا کردار رکھ دیں۔

طلبہ پر اردو زبان کی محنت

بہر حال طلبہ کے اوپر محنت کے سلسلے میں بات ہو رہی تھی، اس سلسلے میں ایک اور بات میں عرض کروں گا۔ کراچی کے مدارس کے لیے خاص طور پر یہ بہت آسان ہے، وہ یہ کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اردو زبان سمجھنے کے لئے ہمیں کسی محنت کی ضرورت نہیں۔ گھر میں اردو بولنے والے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اردو تو ہماری باندی ہے، لہٰذا ہمیں اس پر محنت کرنے کی کیا ضرورت!؟ اور جو اردو والے نہیں ہیں، وہ بھی اہمیت نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ اردو کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ تعجب ہوتا ہے جب مدرسے میں امتحانی پرچے جانچنے کا موقع ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں پرچے جانچ نہیں پاتا اس لیے کہ ہر دو چار سطروں کے بعد ایسا کوئی لطیفہ ہوتا ہے کہ اس کے اوپر تبصرہ کیے بغیر آگے بڑھا نہیں جاتا اور آگے پرچہ چیک نہیں ہو پاتا۔

اندازہ لگایئے عربی کا طالب علم ہے اور وہ "غیظ وغضب" کو "غیض وغظب" لکھ رہا ہے، کسی نے کہا ہے

املاء میں میرے یار کا کوئی ثانی نہیں
حائے حُطّی سے "گدرح" لکھتا ہے ہوّز سے "ہِمار"

یہ صرف ایک مثال دی ہے، ورنہ طالب علموں کے املاء کی حالت بہت بُری ہے۔ اس کے بعد پھر جملوں کی نشست وبرخاست کو تو دیکھیں، جملہ کس طریقے سے بنا رہے ہیں۔

ہمارے جامعہ فاروقیہ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں بہت ساروں نے محنت کی، جلسہ کے بعد اساتذہ کی جانب سے تحریری طور پر تاثرات پیش کئے گئے کہ کیسا پایا! لوگوں نے لکھ کر دیا۔ ایک استاذ نے، اگرچہ ان کی زبان اردو نہیں تھی لیکن یہیں کے پلے بڑھے تھے، انہوں نے لکھا کہ "اس پورے جلسے کا سہرا افلاں کے گلے پڑتا ہے"، آپ اندازہ لگا رہے ہیں، کیا جملہ ہے، اگرچہ ادبی ہے، لیکن کیا ہے یہ؟! آپ دینی مدرسے کے طالبعلم نہیں، ایک استاذ ہیں، آپ کی صورتحال یہ ہے؟ اردو کی طرف توجہ نہیں۔ جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ اگر اردو کو آپ عالمی زبان نہ بھی کہیں، عملی طور پر تمام عالمی زبانوں سے آگے ہے، اور شاید عربی کے بعد سب سے بڑھ کر دینی مضامین پر جو لٹریچر اور مواد ہے وہ اردو زبان میں ہے۔ لیکن آپ مدرسے سے فارغ ہونے والے ایک عالم کی اردو کی کتاب لے لیں، اور ایک اسکول کالج سے پڑھے ہوئے آدمی کی اردو کی کتاب لے لیں، دونوں کا موازنہ کریں، دونوں اردو کی ہیں، لیکن ہمارے عالم کی کتاب مدرسے میں پڑھے ہوئے شخص کے علاوہ اور کوئی کم ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اندر ایسے ثقیل قسم کے الفاظ ہیں کہ پڑھے نہیں جاتے۔

ہمارے ایک استاذ نے منطق کی کتاب "سلّم" کا سبق پڑھاتے ہوئے کسی مسئلہ کے ذیل میں "ترشّح" کا لفظ استعمال کیا، خیر سبق ختم ہوگیا۔ عصر کے بعد استاذ نے دو طلبہ کو بلایا اور کہا کہ مارکیٹ جاؤ اور ایک مٹکا لے کر آؤ۔ وہ طالبعلم وہاں گئے اور مٹکے والے سے مذاق کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ آپ کے مٹکے سے پانی "مترشّح" تو نہیں ہوتا۔

آپ اندازہ لگائیں کہ جب آپ درسگاہ میں بیٹھ کر سبق پڑھائیں اور باہر سے کوئی عام تعلیم یافتہ آدمی سبق میں بیٹھ جائے، تو آپ کا اردو کا سبق کتنے فیصد تک اس کی سمجھ میں آئے گا؟ ٹھیک ہے اصطلاحات کا استعمال ہے، لیکن ہماری زبان اس قدر "خطرناک" ہوگئی ہے کہ ہم عوام کی سطح پر آکر بات نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری جمعہ کی تقریر عوام کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اردو کے اوپر ہم محنت نہیں کرتے، اس قابل نہیں سمجھتے کہ اردو پر محنت ہو۔ دینی اعتبار سے ضرورت ہے کہ ہم اردو پر بہت زبردست توجہ دیں، اس لیے کہ ہم یہاں مدارس میں نہ ابو الحسن علی ندوی پیدا کرپا رہے ہیں نہ علی طنطاوی پیدا کرپا رہے ہیں۔ لیکن ہم کم از کم مناسب اردو بولنے اور لکھنے والے تو پیدا کردیں۔

مودودی صاحب کی تفسیر کے اندر کس قدر سلاست ہے، کس قدر جاذبیت ہے، ذرا ادبی انداز سے مطالعہ کر کے دیکھیں، کیا کچھ اس کے اندر زہر ہے، میں یہ نہیں کہہ رہا، لیکن ادبی اعتبار سے آپ اپنے کسی بزرگ کی تفسیر کو بھی لے آیئے، اور ان کی تفسیر کو بھی لایئے، آپ دیکھ لیں گے سلاست کس میں ہے؟!

جاوید غامدی انتہائی گمراہ شخص ہے، سو دفعہ ہم اس کی گمراہی پر لعنت بھیجیں، لیکن اس نے اپنا پورا قرآن سی ڈیز کے اندر اور جدید وسائل کے ذریعے ہر گھر میں اور ہر کار میں پہنچادیا ہے۔ اور لوگ ڈرائیونگ کرتے ہوئے سنتے جارہے

ہیں، ذہن بنتا جارہا ہے۔ آپ کی کوئی تفسیر ایسی ہے جس کے اندر آپ لوگوں کو اپیل کر سکیں۔ اگر ہوگی بھی تو اس کے اندر ثقیل ثقیل الفاظ ہوں گے۔ الّاماشاء اللہ!

تو اردو کے اوپر بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ یہ محنت کیسے کی جائے طریقہ کار آپ نکالیں گے، ہر مشکل کا حل ضرور نکلتا ہے۔ اساتذہ، انتظامیہ اور عاملہ کے لوگ بیٹھیں اور آپس میں مشورہ کر کے طے کریں۔

طلبہ سے تحریری تحقیقی کام لیں

میں ابتدائی طور پر یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ ہم نے اپنے طلبہ کو خود اپاہج بنایا ہے۔ شرح مائۃ عامل ہم پڑھا رہے ہیں، اس کے اندر حروف مشبہہ بالفعل پڑھا رہے ہیں، «إنّ، أنّ، كأنّ، ليت، لكنّ، لعلّ»، اب یہ تو طلبہ کو بتادیا کہ ان کے استعمال اور ترکیب ایسے کریں گے۔ فرض ادا ہو گیا، لیکن اگر ہم اس طالبعلم کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سبق تم نے پڑھ لیا، اب تم مجھے اس کے متعلق جو جو تفصیلات ہیں وہ لکھ کر لا کر دو گے۔ کہاں سے لا کر دیں گے؟ شروع میں شاید مشکلات ہوں ان کو، آپ ان کی تھوڑی بہت رہنمائی کر دیں، نحو کی کچھ کتابیں بتادیں۔ اس کے بعد راستہ کھلے گا، ایک سے دوسری کتاب، دوسری کتاب سے تیسری کتاب کی طرف رہنمائی ملتی جائے گی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلے گا۔ لیکن آپ اس سے کام تو کرائیں۔ اس سے صرف رٹّا لگوادینا کار آمد نہیں ہے۔

ایک استاد کو دیکھا کہ ساری کلاس سے رٹّہ لگوا رہے ہیں، "جب کسی کے گھر میں جاؤ تو السلام علیکم کہا کرو"، پورا گھنٹہ یہ رٹوا رہے ہیں۔ بتلایئے کیا فائدہ ہے اس کا؟ سبق ہم نے زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ میں پڑھا دیا، یا ایک گھنٹہ لگ گیا، اور فارغ ہو گئے۔ لیکن اس کے ذہن کے اندر وسعت تو نہیں آئی۔ آپ نے جو محدود معلومات دی ہیں صرف وہ ہیں، لیکن جب وہ اپنے ہاتھ سے کچھ محنت کر کے لے کر آئے گا تو اسے قدر ہوگی۔ آپ اسے کام دیں۔

اسی طریقے سے اردو کے بارے میں کام دیں کہ یہ لفظ ہے اس کے معنی لکھ کر لاؤ۔ چھوٹے بچوں کو کہا جا سکتا ہے۔ لغت میں الفاظ دیکھنے کا طریقہ اسی سے آجائے گا۔ گھروں مین اِن ڈور گیمز (indoor games) بہت سارے ہیں، فضول ہیں، آپ ان کو تعلیمی تاش میں لگادیں، کہ الفاظ بناؤ اور ان کے معنی بتاؤ۔ پھر اس کے بعد جملے کی ساخت کے اوپر محنت ہو جائے، کہ اس جملے کو کس طریقے سے ادا کریں گے تو جملہ صحیح سمجھ میں آئے گا۔ کون سی صورت میں غلطی ہوگی۔ اس طریقے سے اردو کی محنت کے لیے ان کو کام دیں۔ چھوٹے بچوں کو کام دینے کا انداز اور ہوگا اور بڑوں کو اور ہوگا۔

طلبہ سے کام لینے کے فائدے

اگر اس طریقے سے کام ہو تو ہمیں دو فائدے حاصل ہو جائیں گے، ایک تو یہ کہ اردو کے اوپر محنت ہو جائے گی، اور وہ مؤثر انداز سے کردار ادا کر سکیں گے، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ان کے اندر تحقیق کرنے کا ملکہ پیدا ہوگا۔ اگر ہم اردو پر بھی محنت نہ کریں، عربی کے اندر محدود محنت ہے، کہلاتے ہم عربی کے مدارس ہیں، اندازہ لگایئے ہم کس قدر ناکام ہیں۔ کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کسی نہ کسی فن میں تو طاق ہو جائیں، کسی کالم کا اسی زبان میں جواب تو لکھ سکیں۔ آج اردو اخبارات کس قدر ہیں، اُن اردو اخبارات میں سے اگر آپ تمام اخبارات کو دیکھ لیں تو روزانہ کوئی نہ کوئی مضمون دین اور مدرسوں کے خلاف ضرور ہے۔ اس کا جواب دینے کے لیے اگر ہم اپنی گاڑھی زبان استعمال کریں گے تو کون

پڑھے اور سمجھے گا۔اس وجہ سے ضروری ہے کہ انھی کی زبان ہو۔

اردو ادب کو سیکھا جائے، یہ نہ سوچا جائے کہ بیشتر ادب کی کتابوں میں اخلاق باختہ موضوعات ہیں، کیا ہم عربی ادب کے ذیل میں اپنے بچوں کو ساری کتابیں نہیں پڑھا رہے ہیں، متنبّی، سبع معلّقات کیا ان میں غیر اخلاقی باتیں نہیں ہیں۔ جب یہاں پر ادب برداشت کرسکتے ہیں تو وہاں پر کیوں برداشت نہیں کرسکتے۔ اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ اردو کو ناقابلِ اعتناء سمجھنا انتہائی خطرناک بات ہے۔

اللہ تعالیٰ بیت العلم کے احباب، مفتی صاحب اور ان کے تمام ساتھیوں کو جزائے خیر دے، کہیں عورتوں کی اصلاح کے لیے کام ہو رہا ہے، کہیں بچوں کی تربیت کے لیے، اور کہیں عام معاشرے کی اصلاح کے لیے کام ہو رہا ہے، ان کاموں میں بہت تسہیل کی ضرورت ہے، اور ایسی زبان کی ضرورت ہے جو دلوں کو اپیل کرے۔ یہ کام کون کرے گا؟ میں مفتی صاحب سے تفصیل پوچھوں گا تو کہیں گے کہ کام کے آدمی نہیں ملتے۔کام کے آدمی تبھی بنیں گے جب ہم طالبعلموں کو بنائیں گے، محنت کریں گے، ان کو راستہ بتائیں گے، تو وہ ہمارے کام کے بنیں گے۔

اساتذہ اپنے آپ کو جمود سے نکالیں

ہم اساتذہ کی عمروں کے فرق کے اعتبار سے ہمارے تجربات بھی الگ ہیں، کچھ کا تجربہ ۲۵ – ۳۰ سال کا ہے اور کچھ بالکل جونیئر ہیں۔ میں آپ سب سے ایک بات کہتا ہوں کہ ایک کارآمد مشین مثلاً جنریٹر ہے، اس کو ایک جگہ پر یوں ہی رکھ دیں، اور اس سے کام نہ لیں۔ تو زیادہ دن نہیں گذریں گے کہ مشین جام ہو جائے گی اور وہ کام کرنا چھوڑ دے گی۔ مچھلی پانی کے اندر رہنے والی چیز ہے، اس کو ایک ہی جگہ رہنے پر مجبور کیا جائے، چند دنوں کے بعد وہ مچھلی مر سڑ جائے گی۔ اس کی حرکت میں اس کی زندگی ہے۔ جمود اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم مدرّسین اپنے اندر بھی جمود طاری ہونے نہ دیں، اور اپنے طالبعلموں کو بھی حرکت میں رکھیں۔ اگر جمود طاری ہو گیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ افادہ واستفادہ کی صورت ختم ہو جائے گی۔

آپ نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں بند کر دیا، ارد گرد کتابوں کی الماری بھی بنادی، ایک کمپیوٹر بھی لا کر رکھ دیا۔ ایک سال آپ اس طرح گذار کر دیکھیں۔ اس کے بعد آپ ایک اور تجربہ کرلیں، وہاں سے نکلیں، دوسری درسگاہ میں جا کر ایک لیکچر دیں، کسی دوسرے ادارے میں جا کر وہاں کے نظام کو تھوڑا سا دیکھ لیں، مختلف لائبریریوں کو بھی دیکھ لیں، جو بڑے بڑے کتب خانے ہیں مثلاً پیر جھنڈا کا کتب خانہ ہے کنڈیارو کا کتب خانہ ہے، ٹمیاری کا کتب خانہ ہے یا ہمارے کراچی شہر کے بڑے بڑے کتب خانے ہیں، ان کا ایک چکر لگالیں۔ ایک چکر صدر اردو بازار میں کتابوں کی دکانوں کا چکر لگالیں۔ اور دیکھیں کہ نئی کتابیں کون سی آئی ہیں۔

آپ دیکھیں گے کہ جو معلومات آپ نے ایک سال محدود رہ کر حاصل کی ہیں ان میں اور اِن میں کتنا فرق ہے۔ کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔

آپ سے طالبعلم کہتے ہیں کہ مجھے حدیث کے درایتی اور روایتی معیار پر کتاب چاہیے، آپ نے دیکھا کہ آپ کی دونوں الماریوں میں نہیں، کمپیوٹر کے ذریعہ سرچ کر لیا تو اس میں بھی نہیں ہے، آپ کہتے ہیں کہ نہیں مجھے ابھی معلوم نہیں

ہے۔ کیوں؟ کیوں کہ آپ محدود ہوگئے ہیں، آپ اردو بازار تک بھی چلے جاتے، بنوری ٹاؤن کے ارد گرد کتب خانوں کا ایک چکر لگالیتے، تو آپ اتنے محدود تو نہ ہوتے۔ آپ اپنے طالب علم کے سامنے سرینڈر تو نہ ہوتے، کیوں محدود کر لیا اپنے آپ کو۔ اس کے اوپر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے طلبہ میں نابغہ پیدا ہوں، محققین پیدا ہوں، اصل محقق تو مجھے بن کر دکھانا ہے نا؟ میں کچھ بنوں گا تو میرے طالبعلم بنیں گے۔ میں ہی کچھ نہیں بنا تو میرے طالبعلم کیسے بنیں گے؟

خدا کے واسطے اپنے اندر جمود پیدا ہونے نہ دیں۔ یہ ایک اعتبار سے علمی موت ہے۔ زندگی کو متحرک رکھیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کی حرکت علمی رہے۔ کبھی اساتذہ کے ساتھ پروگرام بنالیا کہ لائبریری دیکھنے چلتے ہیں۔ کبھی اساتذہ کے ساتھ گپ شپ کی محفل ہے، ادھر ادھر کی گپ شپ کی بجائے کبھی علمی معلوماتی بات بھی کرلیں، کہ میں نے فلاں جگہ ایک مخطوطہ دیکھا تھا، فلاں سن کا تھا۔ اس سے شوق پیدا ہو گا۔

اگر ہم نے جمود اختیار کیا، ہمارے ۲۴ گھنٹوں کے فارغ اوقات میں ہم نے غیر علمی اور غیر تحقیقی چیزوں کی دلچسپی رکھی تو ہم برباد ہوجائیں گے، اور ہم امت کو صحیح پیداوار نہیں دے سکیں گے۔ ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ ہے نا!؟ کام کر جایئے۔ جو سانس ہماری چل رہی ہے، یہ سانس ہی زندگی ہے۔ ان سانسوں کو کام میں لاکر کچھ کر جائیں گے تو بعد والے یاد کریں گے کہ اللہ جزائے خیر دے انہوں نے یہ یہ کام کیا۔ آج ہم ابن عساکر کو یاد کر رہے ہیں، "تاریخ مدینۃ دمشق" اتنی جلدوں میں چھوڑ گئے۔ ابن شاہین ہیں، مزّی ہیں، حافظ ابن حجر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ «إنما الأعمال بالنيات» کے طرق کو ڈھونڈنے کے لیے وہ طلبِ حدیث کی ابتداء سے لے کر یعنی فتح الباری کی تصنیف تک لگے رہے اور تتبع کرتے رہے[1]۔ اور اس زمانے کی کتابیں، نہ معلوم کہاں کہاں سے کتابیں جمع کیں۔ کس کس طریقے سے جمع کیں۔ اندازہ لگایئے۔ تو ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ کیسے ہو گا؟ ہم تو روٹین کی زندگی گذار رہے ہیں، مر جائیں گے۔ ہمارے بعد کیا رہے گا؟

میں آپ کو ریاکاری کا سبق نہیں دے رہا۔ نام رہے اور کام رہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾۔ تحقیق کا ملکہ ہم اپنے اندر پیدا کریں گے اور اپنے طالبعلم کو دیں گے۔

املاء و ترقیم اور اصولِ تحقیق کی تعلیم و تربیت

میرے پاس میرا ایک طالب علم آیا، ان کو ہم نے ایک مقالہ دیا کہ امراض اور بیماریوں سے متعلق احکامِ شرعیہ کا احاطہ کریں۔ انہوں نے "مرض سے شروع کیا کہ لفظ "مرض" لغت میں کیا ہے، اصطلاح میں کیا ہے۔ قرآن میں کس کس طریقے سے استعمال ہوا ہے اور اس کے مفاہیم کیا کیا ہیں۔ میرے پاس وہ باقاعدہ حوالوں کے ساتھ لے کر آیا۔ لغوی تحقیق کا حوالہ دیا "لسان العرب" کا۔ بہت معتبر حوالہ ہے۔ اس کے بعد اصطلاحی تعریف کے لیے حوالہ دیا "لسان العرب" کا۔ میں نے کہا نہیں، مجھے اس کا حوالہ نہیں چاہیے۔ اس کے بعد آپ قرآن کریم کے مصادیق کے بارے میں مثال دے رہے ہیں اور حوالہ دے رہے ہیں لغت کی کتابوں سے، یہ نہیں چاہیے۔ مجھے تو قرآن کریم کے مفسرین، قرآن کریم کی لغت کے اوپر جو کتابیں ہیں وہ چاہئیں۔ دو تین صفحے کا مضمون لے کر آئے، میں نے سارا رد کر دیا۔

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۔

ائمہ اربعہ کے مسالک اور مذاہب آپ نے بیان کرنے ہیں، یہ تو آپ کسی بھی کتاب کو اٹھالیں، سارے مذاہب لکھے ہوئے مل جائیں گے۔ یہ تو تحقیق نہ ہوئی۔ تحقیق یہ ہے کہ جس مذہب کا جزئیہ ہے اس مذہب کی کتاب میں جاکر مصدرِ اصلی سے لے کر آئیں۔ اس کے لیے ذرا پتّہ پانی کرنا پڑتا ہے، جگر کاٹنا پڑتا ہے، راتیں آنکھوں میں کاٹنی پڑتی ہیں، تب کہیں جاکر کچھ حاصل ہوتا ہے۔ یقیناً مجھ سے زیادہ تجربہ کار حضرات بھی یہاں ہیں، تحقیق کا چسکا جس کو لگ گیا اس کے لیے رات، رات نہیں ہوگی۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ رحمہ اللہ کا اپنا معمول بعض مجالس میں خود انہوں نے بھی بتایا، اور دوسروں سے بھی سنا کہ ایک لفظ کی تحقیق کے لیے وہ کتاب نکالتے جارہے ہیں، نکالتے جارہے ہیں، یہاں تک کہ پورا کمرہ کتابوں سے بھر دیا۔ اور اس طرح پوری رات گذر گئی۔ ساری کتابیں کھلی ہوئی ہیں۔ صرف ایک لفظ کی تحقیق کے لیے!

اب تو کمپیوٹر نے ہمارے لیے اور آسانی کردی ہے۔ اگرچہ ابتدائی طور پر تربیتی مرحلے میں کمپیوٹر انتہائی نقصان دہ ہے۔ لیکن یہ کہ بہر حال تحقیق کے لیے بہت کار آمد چیز ہے۔ نیٹ بھی بہت کار آمد چیز ہے۔ انٹرنیٹ کا استعمال کس قدر غلط ہورہا ہے اور ہمارے طلبہ اس کا غلط استعمال کررہے ہیں۔ ہمارے طلبہ کے اندر اور خرابیاں کتنی ہیں معلوم نہیں، لیکن جو فیس بک کی خرابی آگئی ہے اور پھر موبائلوں میں واٹس ایپ کی جو خرابی در آئی ہے ان چیزوں کی وجہ سے جو وقت ضائع ہورہا ہے، الامان والحفیظ!۔ آپ انہیں انتہائی کار آمد بناسکتے ہیں۔ لیکن ہم اپنا وقت برباد کررہے ہیں۔

طلبہ کے اندر تحقیق کا ملکہ پیدا کرنے کے لیے اپنے آپ میں تبدیلی لانی ہوگی، طلبہ میں تحقیق کا ملکہ کیسے پیدا ہوگا؟ آپ ان کے سامنے اصولِ تحقیق تو بیان کریں کہ تحقیق کس کو کہتے ہیں۔ اور پھر مراجعِ اصلیہ کیا ہیں، مصادرِ فرعیہ کیا ہیں۔ کس کتاب کا حوالہ دیا جاسکتا ہے اور کس کا نہیں، آج بھی بہت سارے لوگ کسی اردو لفظ کا حوالہ دینے کے لیے عام بازاری لغات کا حوالہ دیتے ہیں؟ کتنے سارے لوگ عربی تحقیقات کے لیے منجد کا حوالہ دے رہے ہیں؟ المنجد کوئی معتبر لغت نہیں ہے۔ تو ہمیں پہچاننے کی ضرورت ہے۔

آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ آپ نے آج تک املاء وترقیم کے حوالے سے کتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟ اصولِ تحقیق سے متعلق میرا کتنا مطالعہ ہے؟ جس پر مستقل بڑی بڑی کتابیں آگئی ہیں۔ عربی میں تو بہت ہیں، اردو میں بھی کافی کتابیں ہیں۔ اور یہ چیزیں ہم خود مطالعہ کرکے اپنے طالبعلموں کو منتقل کررہے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ اس پر محنت کریں گے تو آپ اپنے طالبعلموں کو کچھ دے سکیں گے۔

اللہ جزائے خیر دیں، ہمارے ایک استاذ ہیں مولانا عزیز الرحمن صاحب دہلوی دامت برکاتہم، دار العلوم کراچی کے ہمارے استاذ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب سواتی دامت برکاتہم کے ہم درس ہیں، اور ابھی بھی ماشاء اللہ حیات ہیں، اللہ ان کی عمر دراز کرے، نانکواڑہ میں ہیں۔ ہمیں درجۂ اعدادیہ میں اردو پڑھاتے تھے۔ املاء لکھواتے تھے، سبق نقل کرواتے تھے۔ ان کا زبردست طریقہ یہ تھا کہ طالبعلم سے کاپی لی اور اس کے بعد اس کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اور ایک ایک لفظ بلند آواز سے پڑھتے جاتے ہیں اور تصحیح کرتے جاتے ہیں۔ کسی لفظ کے اندر مثلاً ''س'' کے اندر تین (۳) شوشے ہونے چاہئیں، وہ گنتے تھے۔ ''ص'' اور ''ض'' میں ایک ایک شوشہ زائد ہوتا ہے اس کو دیکھتے تھے اور تصحیح کرتے تھے سرخ قلم سے۔ تلفظ کی کسی بھی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ آج ہمارے سامنے کوئی اگر غلط پڑھ رہا ہو تو اسی

تربیت کے زیرِ اثر اپنی معلومات کی حد تک ہم ٹوکتے ہیں، بتادیتے ہیں کہ اس طرح نہیں۔

طلبہ کی حوصلہ افزائی

اپنی افادیت کو عام اور مؤثر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر جمود طاری ہونے نہ دیں اور اپنے ذہن کو وسیع رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ جہاں صلاحیت دیکھیں وہاں آگے بڑھا دیں۔ ہمارے مدارس کے اندر تو الحمدللہ یہ خصوصیت ہے۔ دوسرے لوگ تو دیکھیں گے کہ شاید یہ فلاں قوم کا اور فلاں قوم کا ہے۔ لیکن ہمارے دینی مدارس میں الحمدللہ آج تک یہ تصور نہیں آیا۔ اس وجہ سے ان طلبہ کو جو جس میدان میں آگے بڑھ سکتا ہو آگے بڑھائیں۔ کسی نے کوئی کہانی بھی لکھی، تو زبردست تھپکی دیں۔

مجھے یاد ہے، دار العلوم میں پڑھ رہا تھا، درجہ ثالثہ کا طالبعلم تھا۔ اس زمانے میں مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبداللہ الزاید آئے تھے، انہوں نے مدارس کا دورہ کیا تھا۔ بنوری ٹاؤن گئے، وہاں سے بنوری ٹاؤن کے حضرات انہیں لے کر دار العلوم آئے، دار العلوم میں عربی تقریر کے لیے طلبہ میں سے میرا انتخاب ہوا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ہمارے طلبہ کی ایک انجمن ہوتی تھی، جس میں عربی تقریر کرنے کا موقع ملا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب مد ظلہم کو ہم نے سالانہ جلسے میں بلالیا۔ حضرت مولانا محمد تقی صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے، ان کے سامنے میں نے عربی میں تقریر کی۔ اس تقریر کی حیثیت کیا تھی، وہ میں آپ کو بتادوں، آپ ہنسیں گے۔

اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس زمانے میں نئی نئی "خطباتِ حکیم الاسلام" مولانا ادریس صاحب ہوشیار پوری کی مرتب کردہ پہلی جلد آئی تھی۔ اس میں سے سیرت کی ایک تقریر میں نے اٹھائی اور اس کا بہت مشکل سے میں نے ایک آدھ صفحہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اسی زمانے میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے قطر میں سیرت کانفرنس کے سلسلہ میں ایک سفر کیا تھا۔ وہاں انہوں نے اپنا مقالہ پڑھا اور وہ مقالہ البلاغ میں چھپ گیا تھا۔ البلاغ تو اردو کا رسالہ ہے لیکن سیرت کا وہ مقالہ اس میں شائع ہوا۔ وہ مقالہ میں نے لیا اور سوچا کہ یہ تو زبردست چیز آگئی، اس میں سے میں نے کچھ چُرایا، اور دونوں کو جمع کر کے میں نے تقریر کی، اور تقریر کی کیفیت بلا مبالغہ یہ تھی کہ میرے سامنے ڈائس ہے، اور میں بیان کر رہا ہوں اور بیان میں اس طرح سے کر رہا ہوں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرے اندر کسی قسم کا لرزہ ہے، لیکن بلا مبالغہ میرے دونوں گھٹنے کانپ رہے تھے، کیونکہ پہلی دفعہ تقریر تھی۔

وہاں سے فارغ ہو کر جب جانے لگا تو مولانا محمد تقی صاحب مد ظلہم نے وہیں مجھے بٹھالیا، اور پوچھا کہ یہ تقریر تم نے خود لکھی ہے؟ میں نے کہا کہ آدھا تو میں نے ترجمہ کیا ہے اور آدھا آپ کا مقالہ چُرایا ہے۔ مولانا نے خوب شاباش دی۔ اور پھر مجھے کہا کہ میں تمہیں انعام دوں گا، تم مجھ سے بعد میں ملنا۔ اس کے بعد جب اپنی تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے عجیب بات کی، آپ اندازہ لگائیے کہ حوصلہ افزائی کیا جادو کرتی ہے، انہوں نے کہا کہ میں اس تقریب میں آنا نہیں چاہ رہا تھا، کیونکہ طلبہ کی تقریریں پھسپھسی ہوتی ہیں، کوئی بات سمجھنے کی نہیں ہوتی، کوئی کام کی بات دیکھنے اور سننے کو نہیں ملتی، میرے پیٹ میں بھی درد تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے اتنی خوشی ہوئی، فلاں کی تقریر سن کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میرے پیٹ کا درد بھی ختم ہو گیا۔ اندازہ لگا رہے ہیں، کہ ایک چھوٹا سا طالبعلم اور اس کی حوصلہ افزائی کے

لیے اتنی بڑی شخصیت نے کیا کیا؟

دوسرے دن وہ راستہ میں گھر کی طرف جارہے تھے، میں فوراً گیا، ان سے ملا، ان سے کہا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ انعام دیں گے۔ کہا کہ ہاں ہاں! ہاتھ سے پکڑا، اور گھر کے اندر لے گئے، کافی دیر تک ادھر ادھر کتابیں ڈھونڈتے رہے اور مجھے عربی کی ایک کتاب نکال کر دی "حیاۃ سید العرب" اور اس کے اوپر مجھے لکھ کر دیا اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے اوپر مزید مجھے یہ کہا کہ تم ایسا کرنا کہ عربی کے چھوٹے چھوٹے مضمون لکھ کر مجھے دکھاؤ۔ کس کو؟ مولانا تقی عثمانی صاحب کو!۔ اندازہ لگایئے! بہرحال میں پَر لگاکر اڑنے لگا، اور اس کے بعد میں نے چھوٹے چھوٹے مضمون لکھنے شروع کیے، مولانا تقی صاحب کو دکھانا شروع کیا، ان کو میرا مضمون کیا سمجھ میں آئے گا؟! پھر انہوں نے مجھے تھپکی دی اور کہا کہ مولانا عزیز الرحمن صاحب کو دکھادیا کرو۔ میں ان کو دکھانے لگا۔

خیر میں نے شیخ عبد اللہ الزاید کے سامنے اسی طرح رٹّا لگاکر کوئی تقریر ماردی، اسکے بعد پھر کیا ہوا؟ میں حوصلہ افزائی کے بارے میں بتارہا ہوں۔ مولانا محمد تقی صاحب دامت برکاتہم اس وقت کسی سفر سے آئے تھے اور وہیں پر ملاقات ہورہی تھی، جلسے سے نکلنے کے بعد مولانا صاحب کو سامنے دیکھ کر میں سلام کرنے کے لیے گیا، توانہوں نے فوراً اپنی بانہیں کھول دیں، اور مجھے سینے سے لگایا۔ اندازہ لگائیں کہ ایک چھوٹے طالبعلم کی حوصلہ افزائی کس طرح ہوتی ہے، اور اس نے مجھے کہاں تک پہنچایا؟!

یہ جو آپ اپنے طالبعلم کے اوپر محنت کریں گے اور حوصلہ افزائی کے ساتھ محنت کریں گے یہ طالبعلم بہت بہت کام کرے گا۔ اسی طریقے سے کلاس کے اندر بعض طالبعلم غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں، اس جیسا کام نہیں کرسکتے تو اس کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی معمولی چیز کو بھی بڑا کرکے دکھانا چاہیے، اس کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ پیسے دے دیئے، سب کے سامنے تعریف کردی، اس طریقے سے اگر ہم اپنے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے تو میں آپ کو صحیح بتارہا ہوں وہ شہد اور دودھ کی نہر نکال کر دکھائیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مشن سمجھ کر ہم اپنے طلبہ کے اوپر محنت کریں، اور اگر تن آسانی ہی پیشِ نظر ہو تو فرض کی ادائیگی تو ہوگئی۔ فرض ادا ہوجائے گا، لیکن کام نہیں ہوگا۔ کام ہونے کے لیے ان کے اندر جذبہ بیدار کرنے کے لیے یہ بہت زیادہ ضروری ہے کہ ہم خود بھی متحرک رہیں اور اپنے طالبعلموں کو راستہ دکھائیں۔

ایک بات معمولی سی یہ عرض کروں گا کہ دیکھیں کوئی بھی چیز دنیا میں جو بھی مثبت کام ہو اس کی تحقیر نہیں کرنی چاہیے، چاہے ہمارا مخالف ہی کیوں نہ کررہا ہو۔ اگر ہمارے برابر میں ایک کالج یا یونیورسٹی ہے اور اس میں کوئی مثبت سرگرمی ہے، ہم اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں ہمیں اس کو ضرور دیکھنا چاہیے، اس کی لائبریری سے استفادہ کرسکتے ہیں تو کرنا چاہیے۔ اگر ان کے اندر کوئی ٹیلنٹڈ پروفیسر ایسا ہے کہ ہمارے طلبہ کے کام آسکتا ہے، ٹھیک ہے اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ سہی، لیکن اس کی تحقیق ہمارے کام آسکتی ہے۔ اور اس کے ٹپس کام آسکتے ہیں، تو اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ میں اس کو بھی جمود سمجھتا ہوں کہ اپنے مخالف کی قابلِ تعریف چیزوں کو بھی آپ نظرانداز کردیں۔ اس سے ٹپس لے کر گُر سیکھ لیں، کارآمد نسخے لے لیں، استعمال کرلیں۔

یہ چند منتشر سی باتیں آپ حضرات کے سامنے میں نے رکھی ہیں، امید ہے آپ حضرات بھی سمجھ گئے ہوں گے۔ سب سے پہلے ان شاء اللہ میں عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ حضرات بھی عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح مل کر جب ہم کام کریں گے تو ان شاء اللہ اچھی فضا ہو جائے گی، ساز گار ماحول ہو گا، ہماری محنت ان شاء اللہ کارآمد ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔